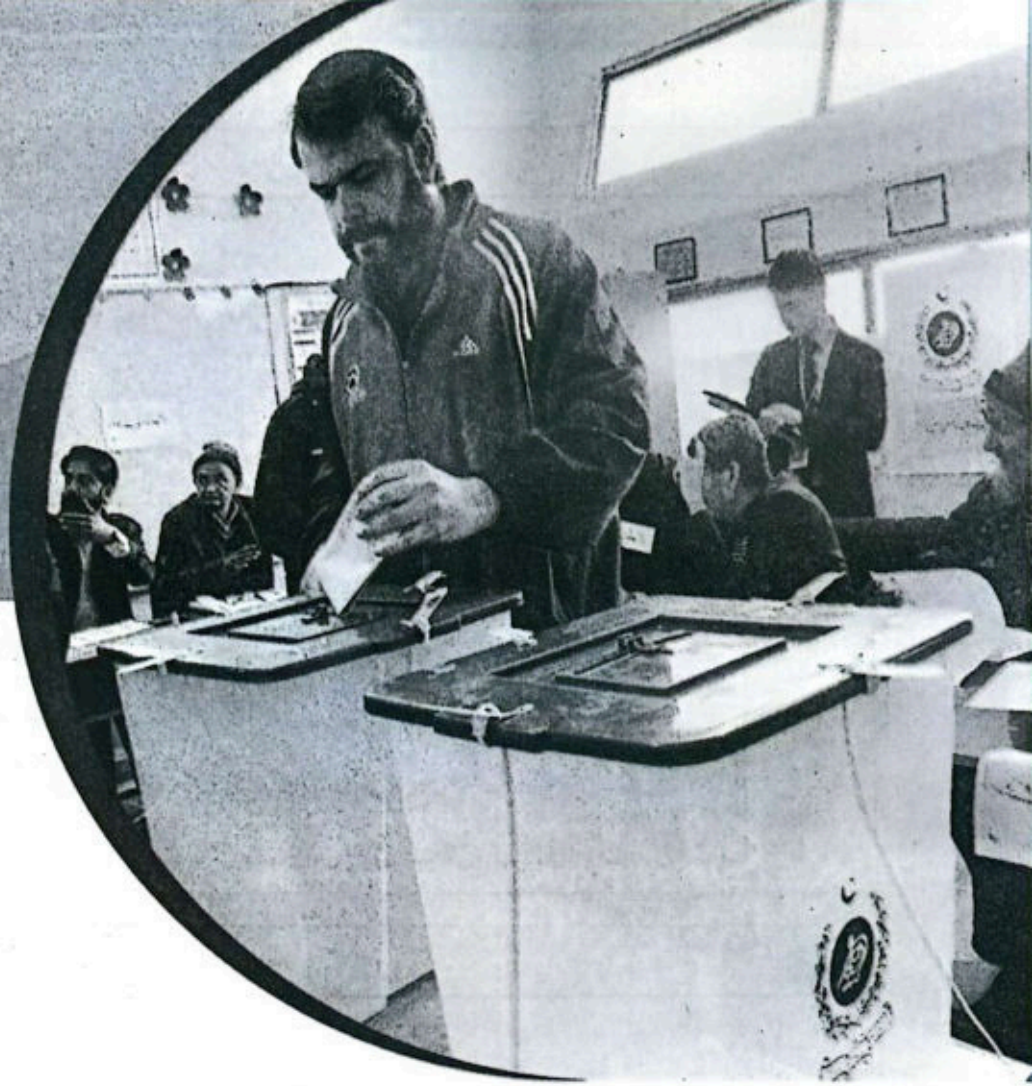


باب: 02

حصہ اول: پاکستان کی تاریخ



پاکستان میں سیاسی ارتقاء

یہ سبق پڑھنے کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

- قائد اعظم محمد علی جناح کی بطور پہلے گورنر جنرل اور لیاقت علی خان کو بطور پہلے وزیر اعظم پاکستان کی قیادت اور خدمات کا جائزہ لے سکیں اور ملک کے سیاسی، سماجی اور معاشی ترقی پر اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔
- مختلف ادوار حکومت (۱۹۵۸ء تا ۲۰۲۳ء) کا تنقیدی تجزیہ کر سکیں، اور ان ادوار میں اختیار کی جانے والی سیاسی، سماجی اور معاشی ترقی پر مرتب اثرات کا جائزہ لے سکیں۔
- پاکستان اور بھارت کے درمیان ہونے والی جنگوں (۱۹۴۷ء، ۱۹۶۵ء، ۱۹۷۱ء اور ۲۰۲۵ء) کے اسباب اور نتائج کا تنقیدی تجزیہ کر سکیں۔
- بین الاقوامی جنگوں (سویت-افغان جنگ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ) کے پاکستان پر سیاسی، سماجی اور معاشی اثرات کا تجزیہ کر سکیں۔

پاکستان میں سیاسی ارتقاء



آزادی کے بعد، قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل مقرر ہوئے جبکہ لیاقت علی خان رحمۃ اللہ علیہ کو ملک کا پہلا وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ پاکستان کو ایک جمہوری ریاست کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے، جو سماجی اور معاشی انصاف پر مبنی ہو۔ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان کے امور کو اسلام کے سنہری اصولوں کے مطابق چلایا جائے۔ بد قسمتی سے بانی پاکستان، قیام پاکستان کے صرف تیرہ ماہ بعد ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء کو وفات پا گئے۔

قیام پاکستان کے بعد، قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قوم کی رہنمائی کی اور ان مسائل کے حل کے لیے عملی اقدامات کیے جن کا پاکستان کو سامنا تھا۔ اگر وہ چند برس اور زندہ رہتے تو وہ یقیناً کئی اہم مسائل حل کر سکتے تھے۔ تاہم، وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک ریاست کی رہنمائی کرتے رہے اور اہم قومی معاملات میں عملی کردار ادا کیا۔ ذیل میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاکستان کے بارے میں ویژن اور بطور گورنر جنرل ان کی خدمات کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے:

بطور گورنر جنرل قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات

مہاجرین کی بحالی

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان سے آنے والے تقریباً ۱۶ لاکھ مہاجرین کی بحالی پر خصوصی توجہ دی۔ انہوں نے ”ریفیوجی فنڈ“ قائم کیا اور عوام سے اپیل کی کہ وہ اس میں دل کھول کر عطیات دیں۔ عوام نے اس فنڈ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور مہاجرین کی مدد کی۔ قائد اعظم نے مہاجرین کی بحالی کے لیے ایک وزارت بھی قائم کی اور اس کے کام کی نگرانی خود کی۔ انہوں نے مقامی لوگوں کو بھی مہاجرین کی مدد کرنے اور انہیں اپنا بھائی سمجھنے کی تلقین کی۔ حکومت کی کوششوں اور عوام کے تعاون کے نتیجے میں مہاجرین کی آباد کاری قلیل مدت میں ممکن ہوئی۔

آئین سازی کی طرف اقدامات

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ چونکہ اس وقت پاکستان کا کوئی آئین موجود نہیں تھا، اس لیے انگریزوں کا بنایا ہوا ۱۹۳۵ء کا ایکٹ چند ترامیم کے ساتھ عبوری آئین کے طور پر نافذ کیا گیا۔ اس دوران قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اسمبلی کی رہنمائی کی اور اسے ایک ایسا آئین تیار

کیا آپ جانتے ہیں؟

قائد اعظم کو تپ دق (ٹی بی) اور پھیپھڑوں کے کینسر کا عارضہ لاحق تھا، جو اپنی آخری مراحل میں تھا۔ قائد اعظم کو اپنی مہلک بیماری کا اس وقت علم ہوا جب وہ آزادی کی تحریک کو بھرپور انداز میں آگے بڑھا رہے تھے۔ انہوں نے اپنی بیماری کو خفیہ رکھا تا کہ سیاسی مخالفین کو اس کا علم نہ ہو، کیونکہ اگر وہ جان لیتے تو وہ تقسیم ہند کو مؤخر کرنے کی تدبیریں اختیار کر سکتے تھے۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے ایک موقع پر کہا کہ اگر ہمیں قائد اعظم کی بیماری کی اصل نوعیت کا علم ہوتا تو ہم تقسیم کو کچھ وقت کے لیے مؤخر کر دیتے، اور ممکن ہے کہ پاکستان وجود میں نہ آتا۔

کرنے کا ذمہ سونپا جو عوام کی امنگوں اور ضروریات کی عکاسی کرے۔ قائد اعظم نے واضح کیا کہ آئین اسلامی و جمہوری اصولوں کو مد نظر رکھ کر تشکیل دیا جائے گا۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا کہ پاکستان کے تمام شہری، خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، مساوی حقوق کے حامل ہوں گے اور کسی کے ساتھ مذہب کی بنیاد پر امتیاز نہیں برتا جائے گا۔

اسٹیٹ بینک کا افتتاح

معاشی مسائل پر قابو پانے کے لیے، قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یکم جولائی ۱۹۴۸ کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا افتتاح کیا۔ یہ اقدام پاکستان کی اقتصادی خود مختاری کی جانب ایک اہم قدم تھا۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ماہر معاشیات زاہد حسین کو اسٹیٹ بینک آف پاکستان کا پہلا گورنر مقرر کیا۔ اسٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریب کے موقع پر اپنے خطاب میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے قوم کو مستقبل کی معیشت کے خدو خال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے فرمایا:

”مغربی دنیا کا معاشی نظام انسانیت کے لیے تقریباً قابل حل مسائل پیدا کر چکا ہے، اور ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب صرف کوئی معجزہ ہی دنیا کو اس تباہی سے بچا سکتا ہے جس کا وہ سامنا کر رہی ہے۔ مغربی دنیا، تمام ترقی پزیر ممالک اور صنعتی مہارت کے باوجود، آج تاریخ کے بدترین انتشار کا شکار ہے۔ ہمیں اپنی تقدیر کا تعین اپنے انداز سے کرنا ہے اور دنیا کے سامنے ایسا معاشی نظام پیش کرنا ہے جو اسلامی تصور مساوات اور سماجی انصاف پر مبنی ہو۔“

سرکاری ملازمین کے لیے رہنمائی

برطانوی دور حکومت میں سرکاری ملازمین مقامی لوگوں کو کمتر سمجھتے تھے۔ انہیں ایسی تربیت دی گئی تھی جیسے وہ عوام کے حاکم ہوں۔ قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ہدایت کی کہ وہ اب ایک آزاد قوم کے خادم ہیں، اس لیے وہ اپنے رویے کو بدلیں۔ مزید برآں انہوں نے سرکاری ملازمین کو سیاست سے دور رہنے کی تلقین کی۔

طلبہ کے لیے نصیحت

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر طلبہ نے تحریک آزادی میں بھرپور کردار ادا کیا۔ لیکن قیام پاکستان کے بعد، قائد نے طلبہ کو سیاست سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ ان کا ہدف حاصل ہو چکا تھا۔ انہوں نے طلبہ کو نصیحت کی کہ اب وہ اپنی توانائیاں تعلیم کے حصول پر صرف کریں۔

صوبائیت کا خاتمہ

قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب بصیرت رہنما تھے، انہوں نے آغاز ہی سے صوبائیت اور لسانی تعصب جیسے خطرات کو بھانپ لیا اور انہیں پاکستان کی وحدت کے لیے بڑا خطرہ قرار دیا۔ انہوں نے قوم کو ان خطرات سے خبردار کیا اور انہیں اتحاد و یگانگت کا جذبہ اپنانے کی تلقین کی۔ ۱۵ جون ۱۹۴۸ء کو اپنے خطاب میں قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”جب تک ہم متحد رہیں گے، ہم کامیاب اور مضبوط ہوں گے۔ اگر ہم متحد نہ رہے تو ہم کمزور ہو جائیں گے اور ذلت کا شکار ہوں گے۔ ہم سب پاکستانی ہیں۔ ہم میں سے کوئی پنجابی، سندھی، بلوچ، پٹھان یا بنگالی نہیں۔ ہمیں خود کو صرف پاکستانی سمجھنا، اس پر عمل کرنا اور اس پر فخر کرنا چاہیے۔“

خارجہ پالیسی کے رہنما اصول

قائد اعظم رحمہ اللہ نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کے خدوخال واضح کیے۔ انہوں نے غیر جانبدار خارجہ پالیسی اپنانے پر زور دیا اور بالخصوص مسلم ممالک کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے کی اہمیت پر زور دیا۔ قائد کی ہدایت کے مطابق پاکستان نے دنیا کے کئی ممالک میں سفارت خانے اور مشن قائم کیے۔ ان نمائندہ دفاتر میں قابل اور باصلاحیت افراد کو سفیر مقرر کیا گیا اور انہیں ملک کا مثبت تشخص اجاگر کرنے کی ہدایت دی گئی۔ قائد کی کوششوں سے پاکستان نے ۳۰ ستمبر ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ کی رکنیت بھی حاصل کر لی۔

لیاقت علی خان رحمہ اللہ کی خدمات



قائد اعظم رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد پاکستان کی قیادت کی بھاری ذمہ داری نواب زادہ لیاقت علی خان رحمہ اللہ کے کندھوں پر آگئی۔ وہ قائد اعظم رحمہ اللہ کے بااعتماد ساتھی اور آل انڈیا مسلم لیگ کے طویل عرصے تک سیکریٹری جنرل رہے تھے۔ متحدہ ہندوستان میں انہوں نے وزیر خزانہ کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں۔

لیاقت علی خان رحمہ اللہ ایک صاحب بصیرت اور تجربہ کار منتظم تھے۔ انہوں نے خلوص اور حکمت کے ساتھ قوم کی قیادت کی اور ان مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جن کا پاکستان کو سامنا تھا۔

لیاقت علی خان

لیاقت علی خان رحمہ اللہ نے نہایت کامیابی سے قرارداد مقاصد کو دستور ساز اسمبلی سے ۱۲ مارچ ۱۹۴۹ء کو منظور کروا یا جو بعد ازاں پاکستان کے تمام آئندہ دستاویز کے لیے رہنما اصول بنی۔ انہوں نے ہندوستان میں اپنے ہم منصب کے ساتھ اپریل ۱۹۵۰ء میں ایک معاہدہ بھی کیا تاکہ مہاجرین سے متعلق مسائل کو حل کیا جاسکے۔ ”لیاقت نہرو معاہدہ“ مہاجرین کے مسائل کے حل کے لیے ایک اہم پیش رفت ثابت ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ لیاقت علی خان رحمہ اللہ نے ملک کو درپیش معاشی اور سلامتی کے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے بھی سنجیدہ اقدامات کیے۔ انہوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا دورہ کیا تاکہ معاشی و دفاعی تعاون حاصل کیا جاسکے۔ امریکہ نے نوٹا سیدہ پاکستان کو درپیش اقتصادی بحران سے نکلنے کے لیے تعاون فراہم کرنے کا وعدہ کیا۔ لیاقت علی خان رحمہ اللہ نے پاکستان کو ترقی و استحکام کی راہ پر گامزن کیا، لیکن افسوس کہ اس مدبر اور مخلص رہنما کو ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء کو راولپنڈی میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران شہید کر دیا گیا۔ ان کے آخری الفاظ تھے: ”خدا پاکستان کی حفاظت کرے“۔

سیاسی عدم استحکام

لیاقت علی خان رحمہ اللہ کی شہادت کے بعد پاکستان کو شدید سیاسی عدم استحکام کا سامنا کرنا پڑا۔ مسلم لیگ کی قیادت میں داخلی اختلافات اور تقسیم ہند ہو گئی۔ سیاسی قیادت کی نااہلی، خود غرضی، اور موقع پرستی کی وجہ سے سول بیورو کرہیسی نے سیاست پر غلبہ حاصل کر لیا اور کلیدی عہدوں پر قابض ہو گئی۔ سیاسی عدم استحکام کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۵۱ء سے ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کے درمیانی عرصے میں سات وزرائے اعظم کو مختلف وجوہات کی بنیاد پر عہدے سے ہٹایا گیا جبکہ دوسری جانب بھارت کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہرو ۷ اکتوبر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۳ء تک برسر اقتدار رہے۔

پاکستان میں سیاسی قیادت نے عام انتخابات کے انعقاد سے گریز کیا آئین سازی میں تاخیر کی اور بنیادی مسائل کے حل میں ناکام رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام کا

اپنے لیڈروں پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ اس صورت حال نے سول بیورو کرپسی کو سیاسی قیادت پر غالب آنے کا موقع فراہم کیا۔

لیاقت علی خان ^{رحمۃ اللہ علیہ} کی شہادت کے بعد خواجہ ناظم الدین جو اس سے پہلے گورنر جنرل کے عہدے پر فائز تھے، کو وزیراعظم مقرر کیا گیا جبکہ غلام محمد جو ایک اعلیٰ سول افسر تھے، کو گورنر جنرل بنایا گیا۔ اس وقت کے آئینی اختیارات کے تحت گورنر جنرل وزیراعظم کو برطرف کرنے کا مجاز تھا۔ چنانچہ غلام محمد نے ۷ اپریل ۱۹۵۳ء کو خواجہ ناظم الدین کو ملک میں بگڑتی ہوئی امن وامان کی صورت حال کو سنبھالنے میں ناکامی کا الزام لگا کر برطرف کر دیا۔ ان کی جگہ محمد علی بوگرہ کو وزیراعظم مقرر کیا گیا حالانکہ وہ اسمبلی کے رکن بھی نہ تھے۔ سیاسی بحران اس وقت مزید شدت اختیار کر گیا جب ۲۴ اکتوبر ۱۹۵۴ء کو غلام محمد نے دستور ساز اسمبلی تحلیل کر دی کیونکہ اسمبلی نے گورنر جنرل کے اختیارات محدود کرنے کی کوشش کی تھی۔ اسمبلی کی تحلیل ایک افسوسناک واقعہ تھا جو آئین سازی کے عمل کو مزید موخر کرنے کا سبب بنا۔ ۱۹۵۵ء میں بیمار غلام محمد کی جگہ اسکندر مرزا نے گورنر جنرل کا عہدہ سنبھالا۔ اس اثناء اسمبلی نے محمد علی بوگرہ کو وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ اس کے بعد چوہدری محمد علی کو وزیراعظم مقرر کیا گیا، جو ایک ماہر منتظم اور تجربہ کار بیورو کریٹ تھے۔

قیام پاکستان کے فوراً بعد مشرقی و مغربی بازوؤں کے مابین وسائل اور اختیارات کی تقسیم ایک اہم مسئلہ بن چکا تھا، جو چوہدری محمد علی کے دور حکومت میں مزید شدت اختیار کر گیا۔ مشرقی پاکستان لسانی و ثقافتی لحاظ سے یکساں آبادی کا حامل خطہ تھا جہاں کل ملکی آبادی کا ۵۶ فیصد رہتا تھا، جبکہ مغربی پاکستان مختلف قومی گروہوں پر مشتمل اور کئی انتظامی اکائیوں میں منقسم تھا چنانچہ چوہدری محمد علی نے مغربی پاکستان کو ایک وحدت بنانے کی تحریک کی حمایت کی اور ۱۹۵۵ء میں مغربی پاکستان کے تمام صوبوں کا خاتمہ کر کے ”ون یونٹ“ قائم کر دیا۔

چوہدری محمد علی کے دور میں ہی پاکستان کا پہلا آئین نافذ کیا گیا۔ اس آئین کے تحت گورنر جنرل کا عہدہ ختم کر کے صدر مملکت کا عہدہ قائم کیا گیا۔ اس طرح اسکندر مرزا جو آخری گورنر جنرل تھے پاکستان کے پہلے صدر بنے۔ نئے آئین کے تحت صدر مملکت کو ملک میں ہنگامی حالت نافذ کرنے کا اختیار مل گیا۔ بد قسمتی سے، اس اختیار کا اکثر و بیشتر غلط استعمال کیا گیا۔ چوہدری محمد علی جو ابتدا میں عوامی نمائندوں کا اعتماد حاصل کیے ہوئے تھے رفتہ رفتہ اسمبلی کا اعتماد کھو بیٹھے اور بالآخر ۸ ستمبر ۱۹۵۶ء کو مستعفی ہو گئے۔ ان کے بعد حسین شہید سہروردی نے وزارت عظمیٰ سنبھالی، جو اس وقت قومی سطح کے ممتاز رہنما تصور کیے جاتے تھے تاہم صدر مملکت اسکندر مرزا نے ان پر دباؤ ڈال کر انہیں مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ ان کے بعد ابراہیم اسماعیل چندر ریکر وزارت عظمیٰ کے منصب پر فائز ہوئے لیکن ان کی مدت اقتدار محض دو ماہ سے بھی کم رہی۔ وہ بھی اندرونی سیاسی سازشوں کا نشانہ بنے اور ۱۶ دسمبر ۱۹۵۷ء کو مستعفی ہو گئے۔ ساتویں وزیراعظم فیروز خان Noon اس وقت برطرف کر دیے گئے جب صدر پاکستان نے آئین معطل کر کے ملک میں ہنگامی حالت نافذ کی اور افواج پاکستان کو حکومت سنبھالنے کی ہدایت دی۔



فیلڈ مارش ایوب خان

ایوب خان کا دور حکومت (۱۹۵۸ء-۱۹۶۹ء)

۱۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو جب ملک میں مارشل لا نافذ کیا گیا، تو صدر مملکت اسکندر مرزا نے پاکستان آرمی کے اس وقت کے سپہ سالار جنرل محمد ایوب خان کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا۔ تاہم آئین کی تنسیخ کے بعد صدارت کا عہدہ محض ایک رسمی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور اسکندر مرزا خود کو بے اختیار محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ انہوں نے ایوب خان کے خلاف خفیہ سازشیں شروع کیں اور انہیں

مگر قمار کرنے کا منصوبہ بنایا۔ ایوب خان، جوان سرگرمیوں سے پوری طرح باخبر تھے، نے اسکندر مرزا کو حکومت کے لیے خطرہ تصور کرتے ہوئے ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ان سے استعفیٰ طلب کر لیا، اور یوں ایوب خان خود ملک کے صدر بن گئے۔

سیاسی سرگرمیوں پر پابندی

ایوب خان سیاسی جماعتوں کے شدید ناقد تھے کیونکہ ان کے خیال میں سیاسی پارٹیاں عوام میں تفرقہ پیدا کرتی ہیں اور بعض اوقات قومی مفادات کے منافی سرگرمیوں میں بھی ملوث ہوتی ہیں۔ انہوں نے سیاست دانوں کو ملکی تنزیل کا ذمہ دار قرار دیا اور ان کے سیاسی کردار کو محدود کرنے کے لیے ایڈز اور پوڈو جیسے قوانین متعارف کروائے۔ ایوب خان کا خیال تھا کہ پاکستانی عوام کی اکثریت ناخواندہ اور سیاسی لحاظ سے ناپختہ ہیں، اس لیے عمومی بالغ رائے دہی کا نفاذ نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۵۹ء میں انہوں نے ”بنیادی جمہوریتوں“ کا نظام متعارف کرایا جس کے تحت ۸۰,۰۰۰ ارکان منتخب کیے جاتے جو صدر مملکت اور دیگر ایوانوں کے انتخابات کے لیے انتخابی ادارہ بھی ہوتے اور مقامی حکومتوں کے فرائض بھی انجام دیتے۔ ایوب خان پارلیمانی نظام کے مخالف تھے انہوں نے اس کی جگہ صدارتی نظام نافذ کرنے کا وعدہ کیا۔ بالآخر، انہوں نے ۱۹۶۲ء میں ایک نیا آئین نافذ کیا جس کے تحت ملک میں صدارتی طرز حکومت کی بنیاد ڈالی گئی۔

معاشی پالیسی

ایوب خان کی معاشی پالیسی بھی خاطر خواہ کامیاب رہی۔ انہوں نے صنعتی شعبے کی ترقی پر بھرپور توجہ دی اور نجی سرمایہ کاری کو فروغ دینے کے لیے سرمایہ کاروں کی حوصلہ افزائی کی۔ پاکستان کی اقتصادی ترقی کا اشاریہ بھارت اور دیگر ہمسایہ ممالک کے مقابلے میں زیادہ بہتر رہا۔ انہوں نے زرعی اصلاحات نافذ کیں اور زرعی زمینوں کی حد ملکیت مقرر کرتے ہوئے ۱۵۰۰ ایکڑ تک نہری اور ۱۱۰۰ ایکڑ تک بارانی زمین کی حد مقرر کی۔ ایوب خان نے زرعی شعبے میں انقلابی تبدیلیاں متعارف کروائیں۔ جدید مشینری اور آلات کے استعمال سے فصلوں کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ زرعی اراضی کو سیراب کرنے اور توانائی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے وارسک، منگلا ڈیم اور تربیلا ڈیم تعمیر کروائے۔ پاکستان کی تاریخ میں دو سراپا پنج سالہ ترقیاتی منصوبہ (۱۹۶۰ء تا ۱۹۶۵ء) سب سے کامیاب منصوبہ قرار دیا جاتا ہے جس کے تحت مقرر کردہ اہداف سے کہیں زیادہ نتائج حاصل کیے گئے۔

صدارتی انتخابات

جنوری ۱۹۶۵ء میں ہونے والے صدارتی انتخابات ایوب خان کی شہرت کو دھچکا پہنچانے کا باعث بنے۔ ان انتخابات میں قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی ہمشیرہ محترمہ فاطمہ جناح، ایوب خان کے مقابل صدارتی امیدوار تھیں۔ حکومت نے ان کے خلاف ایک منظم کردار کشی کی مہم شروع کی، جسے عوام نے سخت ناپسند کیا اگرچہ ایوب خان نے انتخابات جیت لیے لیکن یہ حقیقت واضح ہے کہ ایوب خان کی جیت کی اصل وجہ ووٹنگ کا دائرہ صرف اسی ہزار منتخب نمائندگان تک محدود ہونا تھا۔ اگر بالغ رائے دہی کا نظام رائج ہوتا تو محترمہ فاطمہ جناح کی انتخابات میں کامیابی یقینی تھی۔

ستمبر ۱۹۶۵ء کی جنگ

چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کو پاکستان اور بھارت کے درمیان مسئلہ کشمیر کے تناظر میں جنگ چھڑ گئی۔ دونوں ممالک کے مابین کشیدگی کا آغاز اس وقت ہوا جب بھارت نے رن آف کچھ کے تنازع علاقے میں فوجی چوکیاں قائم کر لیں۔ جو ایپاکستان نے بھی اپنی افواج روانہ کیں اور اپریل ۱۹۶۵ء میں جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ پاکستانی

افواج نے بھارتی دستوں کو گھیر لیا اور انہیں قید کرنے کی پوزیشن میں آگئیں، تاہم صدر ایوب خان نے اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جنگ بندی پر رضامندی ظاہر کی۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

رن آف کچھ (Rann of Kutch) ایک نشیبی اور دلدلی علاقہ ہے جو صوبہ سندھ (پاکستان) اور بھارتی ریاست گجرات کے درمیان واقع ہے۔

رن آف کچھ میں ناکامی کے بعد بھارت نے کشمیر میں جارحیت کا نیا باب کھولا۔ مئی ۱۹۶۵ء میں بھارتی حکومت نے کشمیری مسلم قیادت کو گرفتار کر لیا اور مقبوضہ کشمیر کو بھارت میں ضم کرنے کے اقدامات کیے۔ ان اقدامات نے کشمیری عوام میں شدید رد عمل پیدا کیا۔ بھارت نے مسئلہ کشمیر کو پُر امن طریقے سے حل کرنے کے بجائے ریاستی جبر و استبداد کا راستہ اپنایا۔ بھارتی مظالم پر خاموش رہنا پاکستانی قیادت کے لیے ممکن نہ تھا۔ پاکستانی رضاکاروں نے کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے وادی کشمیر کا رخ کیا۔ بھارت نے اس امداد کو بنیاد بنا کر بین الاقوامی سرحد کی خلاف ورزی کی اور پاکستان پر حملہ کر دیا۔

جنگ کے آغاز سے ہی پاکستانی عوام اور افواج کا حوصلہ بلند تھا۔ ہماری مسلح افواج نے انتہائی جانفشانی سے جنگ لڑی اور دشمن کی جانب سے کیے گئے بلند و بانگ دعوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ مثال کے طور پر، بھارت نے لاہور پر قبضے کا منصوبہ بنایا تھا، لیکن وہ ناکام رہا۔ پاکستانی افواج نے میجر عزیز بھٹی شہید کی قیادت میں بی آر بی نہر کے کنارے دشمن کا راستہ روک رکھا۔ اسی طرح سیالکوٹ پر بھارتی حملہ بھی پسپا ہو گیا۔

چونکہ مقام پر دونوں افواج کے درمیان ٹینکوں کی سب سے بڑی لڑائی ہوئی جس میں بھارتی افواج کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ پاک فضائیہ نے بھی شاندار کارکردگی دکھائی اور دشمن کے ۵۷ طیارے مار گرائے جب کہ پاکستان نے ۱۹ طیارے کھوئے۔ پاکستانی افواج نے بھارتی سر زمین کا ۶۵۰ مربع کلومیٹر قبضے میں لے لیا اور بھارتی افواج کے سینکڑوں سپاہی وافر قیدی بنالیے۔

اقوام متحدہ کی قرارداد اور تاشقند معاہدہ

اقوام متحدہ نے ۲۰ ستمبر کو جنگ بندی کی قرارداد منظور کی، جسے پاکستان اور بھارت دونوں نے ۲۲ ستمبر کو تسلیم کیا۔ سوویت یونین (USSR) جو اس جنگ میں غیر جانبدار رہا، ثالثی کے لیے آگے آیا اور دونوں ممالک کو تاشقند معاہدہ کو کیا تاکہ بات چیت کے ذریعے تنازعات کا حل تلاش کیا جاسکے۔ تاشقند میں کئی روزہ مذاکرات کے بعد دونوں ممالک کی قیادت نے جنوری ۱۹۶۶ء میں تاشقند معاہدے پر دستخط کیے۔ اس معاہدے کے تحت دونوں ممالک نے جنگ سے قبل کی پوزیشن پر واپسی اور جنگی قیدیوں کی واپسی پر اتفاق کیا۔

ایوب خان کے اقتدار کا زوال

پاکستان کے عوام نے معاہدہ تاشقند کو پسند نہیں کیا کیونکہ اس میں مسئلہ کشمیر کے حل کا ذکر نہ تھا حالانکہ مسئلہ کشمیر ہی 1965ء کی جنگ کا سبب بنا تھا۔ یہ تاثر عام ہوا کہ ایوب خان نے ایک جیتی ہوئی جنگ کو مذاکرات کی میز پر ہار دیا۔ ایوب خان کی کابینہ میں شامل وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو جو تاشقند مذاکرات میں شریک تھے، نے صورت حال کا فائدہ اٹھایا اور یہ موقف اپنایا کہ معاہدہ تاشقند پاکستان کے مفاد میں نہیں ہے کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے وزارت سے استعفیٰ دے دیا اور ایوب خان کے خلاف تحریک شروع کر دی۔ تاشقند اعلامیے کے بعد ایوب خان عوام کا اعتماد کھو بیٹھے اور ملک میں ان کے خلاف احتجاجی فضا قائم ہو گئی۔ دیگر

سیاسی جماعتوں نے بھی عوامی جذبات کو ابھارا اور ایوب خان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ بالآخر عوامی دباؤ کے پیش نظر ایوب خان نے ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔



جنرل یحییٰ خان

یحییٰ خان کا دورِ حکومت (۱۹۶۹ء-۱۹۷۱ء)

ایوب خان نے اقتدار مسلح افواج کے سربراہ جنرل یحییٰ خان کے حوالے کیا، جنہوں نے فوری طور پر ملک میں مارشل لا نافذ کر دیا۔ اپنے پہلے خطاب میں جنرل یحییٰ خان نے واضح کیا کہ ان کے کوئی سیاسی عزائم نہیں ہیں۔ ان کے بقول فوجی مداخلت کا مقصد محض امن و امان کی مخدوش صورت حال کو قابو میں لانا تھا۔ انہوں نے جلد از جلد انتخابات کروانے اور اقتدار عوامی نمائندوں کے سپرد کرنے کا وعدہ کیا۔ مارچ ۱۹۷۰ء میں انہوں نے لیگل فریم ورک آرڈر (ایل ایف او) جاری کیا جس میں آئندہ

انتخابات کے خدوخال متعین کیے گئے تھے۔ ایل ایف او کے تحت قومی اسمبلی کی نشستوں کی تعداد ۳۱۳ مقرر کی گئی، ون یونٹ کا خاتمہ کیا گیا اور بالغ رائے دہی کی بنیاد پر انتخابات کرانے کا اعلان کیا گیا۔ انتخابی مہم کے لیے تمام سیاسی جماعتوں کو مکمل آزادی فراہم کی گئی۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے نتیجے میں دو بڑی پارٹیاں سیاست کے افق پر ابھریں۔ مشرقی پاکستان سے عوامی لیگ جس کی قیادت شیخ مجیب الرحمن کر رہے تھے، اور مغربی پاکستان سے پاکستان پیپلز پارٹی جس کی سربراہی ذوالفقار علی بھٹو کے پاس تھی۔ عوامی لیگ نے چھ نکات کی بنیاد پر انتخابی مہم چلائی، جن کا لب لباب زیادہ سے زیادہ صوبائی خود مختاری کا حصول تھا۔ عوامی لیگ ایک انتہائی کمزور مرکزی حکومت دیکھنا چاہتی تھی۔ مجیب الرحمن کا دعویٰ تھا کہ مشرقی پاکستان سے حاصل شدہ مالی وسائل کو مغربی پاکستان کی صنعتی ترقی پر صرف کیا گیا۔ دوسری طرف پیپلز پارٹی نے "روٹی، کپڑا اور مکان" کے نعرے پر اپنی انتخابی مہم کی بنیاد رکھی۔ ذوالفقار علی بھٹو نے وعدہ کیا کہ اگر ان کی پارٹی اقتدار میں آئی تو وہ عوام کو بنیادی سہولیات کی فراہمی یقینی بنائیں گے۔

بالآخر دسمبر ۱۹۷۰ء میں انتخابات کا انعقاد ہوا جن میں عوامی لیگ نے مشرقی پاکستان سے ۱۶۲ میں سے ۱۶۰ نشستوں پر زبردست کامیابی حاصل کی مگر مغربی پاکستان سے ایک بھی نشست حاصل نہ کر سکی۔ پیپلز پارٹی نے ۸۱ نشستیں جیتیں لیکن تمام نشستیں مغربی پاکستان سے تھیں۔ یہ نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ کوئی بھی سیاسی جماعت قومی سطح کی نمائندگی کی حامل نہ تھی۔ انتخابات کے بعد یحییٰ خان نے اعلان کیا کہ ۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو قومی اسمبلی کا اجلاس ڈھاکہ میں بلایا جائے گا جہاں وزیراعظم کا انتخاب اور آئین سازی کا عمل شروع کیا جائے گا۔

تاہم ذوالفقار علی بھٹو نے اسمبلی اجلاس کے بائیکاٹ کا اعلان کر دیا اور مطالبہ کیا کہ اجلاس سے قبل ان کے اور مجیب الرحمن کے درمیان آئینی معاملات اور اقتدار کی تقسیم کے حوالے سے باہمی مشاورت ہونی چاہیے۔ ۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان نے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کرنے کا اعلان کیا جس کی وجہ پیپلز پارٹی کا بائیکاٹ قرار دیا گیا۔ یہ فیصلہ عوامی لیگ کے اس یقین کو مزید تقویت دینے کا باعث بنا کہ یحییٰ خان کی حکومت اقتدار ان کے حوالے کرنے میں مخلص نہیں۔

مشرقی پاکستان کی علیحدگی

قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی ہونے کے بعد مشرقی پاکستان میں شدید عوامی اضطراب پیدا ہوا۔ عوامی لیگ کے کارکنان اور حامیوں نے مشرقی پاکستان میں ہڑتالیں اور احتجاج شروع کر دیے۔ مختلف شہروں میں سرکاری عمارتوں اور دفاتر کو نشانہ بنایا گیا، اور امن وامان کی صورت حال بدتر ہوتی چلی گئی۔ عوامی لیگ نے درحقیقت مشرقی پاکستان میں متوازی حکومت قائم کر لی اور ریاستی عملداری تقریباً ختم ہو گئی۔ امن وامان کی صورت حال اس قدر ابتر ہو گئی کہ مارچ کے وسط میں یحییٰ خان اور مغربی پاکستان کے دیگر سیاسی رہنماؤں کو ڈھاکہ جانا پڑا تاکہ عوامی لیگ سے مذاکرات کیے جاسکیں۔ یہ مذاکرات تقریباً دس روز تک جاری رہے، تاہم یہ کسی فیصلہ کن نتیجے پر نہ پہنچ سکے۔ شیخ مجیب الرحمن اپنے چھ نکات سے ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے پر آمادہ نہ تھے جنہیں وفاقی حکومت ریاست پاکستان کی وحدت و سالمیت کے لیے خطرہ تصور کرتی تھی۔

ابتداء میں یحییٰ خان نے ان چھ نکات کو محض انتخابی حربہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا تھا مگر مذاکرات کے دوران وہ ان نکات کے اثرات و مضمرات سے مکمل طور پر آگاہ ہو چکے تھے اور انہوں نے شیخ مجیب سے ان پر نظر ثانی کا تقاضا کیا۔ تاہم، مجیب الرحمن نے کسی بھی قسم کی چٹک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مذاکرات کی ناکامی کے بعد، ۲۳ مارچ ۱۹۷۱ء کو یحییٰ خان نے مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کا حکم جاری کیا۔ یہ فیصلہ نہایت تباہ کن ثابت ہوا کیونکہ سیاسی مسائل کا حل محض فوجی طاقت کے ذریعے ممکن نہیں ہوتا۔ یہ اقدام نہ صرف حکومت بلکہ تمام سیاسی جماعتوں کی اجتماعی ناکامی کا مظہر تھا کہ وہ کسی قابل قبول سیاسی حل تک نہ پہنچ سکے۔ اگرچہ مشرقی پاکستان میں تعینات فوجی کمانڈر جنرل ٹکا خان شہری علاقوں میں نظم و ضبط بحال کرنے میں کامیاب رہے لیکن فوجی کارروائی کی شدت نے ان حلقوں کو بھی حکومت سے بدظن کر دیا جو پہلے فوج یا یحییٰ حکومت کے ہمدرد سمجھے جاتے تھے۔

جنگ ۱۹۷۱ء اور بھارت کی مداخلت

مشرقی پاکستان کی غیر مستحکم صورت حال نے بھارت کو ۱۹۶۵ء کی جنگ کا بدلہ لینے کا سنہری موقع فراہم کیا۔ بھارت نے بنگالی علیحدگی پسندوں کی نہ صرف سیاسی و سفارتی سطح پر حمایت کی بلکہ انہیں عسکری تربیت مالی امداد اور پناہ بھی فراہم کی۔ عوامی لیگ کی قیادت ماسوائے مجیب الرحمن کے بھارت منتقل ہو گئی اور وہاں بھارتی سرپرستی میں ”مکتی باہنی“ کے نام سے ایک مسلح تنظیم قائم کی گئی جس نے پاکستان فوج کے خلاف گوریلا جنگ شروع کی۔ جب بھارت نے دیکھا کہ مکتی باہنی تنہا اپنے اہداف حاصل کرنے سے قاصر ہیں تو اس نے ۲۱ نومبر ۱۹۷۱ء کو براہ راست مشرقی پاکستان میں مداخلت کر دی اور بالآخر سو سمبر کو پاکستان کے خلاف باقاعدہ جنگ کا اعلان کیا۔ یہ جنگ ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء تک جاری رہی۔

پاکستانی افواج اب تک ہی سے ایک نہایت دشوار صورت حال سے دوچار تھیں۔ اسلحہ، سدا اور خوراک کی شدید قلت، مغربی پاکستان سے زمینی و فضائی رابطے منقطع ہونے اور مقامی آبادی کی اکثریت کے مخالفانہ رویے نے فوجی پوزیشن کو مزید کمزور کر دیا۔ مشرقی پاکستان میں موجود پاکستانی فوج کی تعداد پچاس ہزار سے کم تھی، جبکہ بھارت کے فوجی سربراہ جنرل مانگ شاہ کے مطابق، بھارتی افواج اور مکتی باہنی کی تعداد پاکستانی افواج سے بیس گنا زیادہ تھی۔ جنرل مانگ شاہ نے پاکستان آرمی کی بہادری کو سراہتے ہوئے کہا کہ ”پاک فوج نے غیر معمولی دلیری سے جنگ لڑی، لیکن وہ اپنے مرکز سے ہزار میل دور تھے۔“ ایسے حالات میں کسی بھی فوج کے لیے جنگ جیتنا ممکن تھا۔ ”چنانچہ، ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء کو جنرل امیر عبداللہ خان نیازی نے جنگ بندی پر رضامندی ظاہر کی تاکہ فوج کو مزید نقصان اور معصوم شہریوں کو غیر ضروری ہلاکتوں سے بچا جاسکے۔“

ذوالفقار علی بھٹو کا دورِ حکمرانی (۱۹۷۱ء-۱۹۷۷ء)

سقوطِ ڈھاکہ کے بعد فوج اور عوامی دباؤ کے تحت جنرل یحییٰ خان نے اقتدار سے استعفیٰ دے دیا اور حکومت ذوالفقار علی بھٹو کے سپرد کر دی گئی۔ بھٹو نے قوم سے وعدہ کیا کہ وہ ایک ”نئے پاکستان“ کی بنیاد رکھیں گے۔ انہوں نے فوری طور پر آئین سازی کے عمل کا آغاز کیا اور ۱۹۷۳ء میں ملک کو ایک نیا آئین دیا۔ آئین ۱۹۷۳ء اس لحاظ سے منفرد تھا کہ یہ قومی اسمبلی سے متفقہ طور پر منظور ہوا اور تمام وفاقی اکائیوں کی رضامندی اس میں شامل تھی۔



ذوالفقار علی بھٹو

خارجہ پالیسی کے محاذ پر بھی بھٹو نے اہم کامیابیاں حاصل کیں۔ انہوں نے ۱۹۷۲ء میں بھارت کے ساتھ ”شملہ معاہدہ“ پر دستخط کیے جس کے تحت دونوں ممالک نے ایک دوسرے کے زیر قبضہ علاقوں کو واپس کیا۔ ۱۹۷۴ء میں انہوں نے بھارت کے ساتھ ”دہلی معاہدہ“ کیا، جس کے تحت جنگی قیدیوں کی واپسی ممکن ہوئی۔ بھٹو اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے کہ امریکہ اور یورپی طاقتوں نے پاکستان کو سقوطِ مشرقی پاکستان سے بچانے کے لیے کوئی مثبت کردار ادا نہیں کیا۔ اس تناظر میں انہوں نے خارجہ پالیسی کی سمت کو از سر نو متعین کرتے ہوئے عالم اسلام اور تیسری دنیا کے ممالک کے ساتھ روابط کو ترجیح دی۔ چنانچہ بھٹو نے امریکہ کے ساتھ دفاعی معاہدوں کو منسوخ کرنے کا اعلان کیا۔ اسی ضمن میں، انہوں نے دولتِ مشترکہ (کامن ویلتھ) سے علیحدگی کا فیصلہ بھی کیا، جس کا رکن پاکستان قیام کے وقت سے تھا۔

بھٹو کی فکری وابستگی سوشلسٹ نظریات سے تھی اور وہ سرمایہ دار طبقے کے خلاف شدید تنقید رکھتے تھے۔ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے بھاری صنعتوں کو قومی تحویل میں لینے کا عمل شروع کیا۔ بعد ازاں، بینکاری اور تعلیمی شعبوں کو بھی قومیا گیا۔ اگرچہ یہ اقدامات نیک نیتی پر مبنی تھے، تاہم معیشت پر ان کے اثرات منفی ثابت ہوئے اور صنعتی ترقی کی رفتار دست پڑ گئی۔

نئے افق تلاش کریں

ذوالفقار علی بھٹو نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی تھی۔

آن لائن ذرائع سے تحقیق کیجیے اور پاکستان کے دیگر وزرائے اعظم کی تعلیمی قابلیت کے بارے میں معلومات حاصل کیجیے۔
یہ فہرست مرتب کریں کہ کتنے وزرائے اعظم نے بیرونی جامعات سے تعلیم حاصل کی ہے۔

بھٹو کو پاکستان کے ایٹمی پروگرام کا بانی بھی قرار دیا جاتا ہے۔ جب ۱۹۷۴ء میں بھارت نے جوہری تجربات کیے تو بھٹو نے دو ٹوک اعلان کیا کہ پاکستان کی بقاء جوہری صلاحیت کے حصول سے مشروط ہے۔ انہوں نے یہ تاریخی جملہ ادا کیا کہ: ”ہم گھاس کھالیں گے، بھوکے رہیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے۔“ بھٹو نے ممتاز جوہری سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور انہیں ایٹمی پروگرام کی بنیاد رکھنے کے لیے ہر ممکن ریاستی تعاون فراہم کیا۔ تاہم، بھٹو کے دورِ حکومت میں بعض ایسے اقدامات بھی اٹھائے گئے جو جمہوری اقدار کے منافی تھے۔ بھٹو سیاسی مخالفین کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے تھے۔ انہوں نے بلوچستان کی صوبائی حکومت، جس کی قیادت ان کے سیاسی حریف سردار عطاء اللہ خان مینگل کر رہے تھے، برخاست کر دی۔ مزید برآں ۱۹۷۴ء میں بھٹو نے مری اور مینگل قبائل کے خلاف فوجی کارروائی کا حکم دیا جس سے بلوچستان میں علیحدگی پسند تحریکوں کو تقویت ملی۔ اپنے سیاسی مخالفین کو انہوں نے غدار اور ریاست دشمن قرار دے کر قید و بند کی صعوبتوں کا نشانہ بنایا۔

بھٹو اپنی حکومت کی کارکردگی سے مطمئن تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر عوام سے از سر نو رجوع کیا جائے تو ان کی جماعت دو تہائی اکثریت حاصل کر لے گی۔ چنانچہ انہوں نے ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات کروانے کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے بعد نویسی جماعتوں نے ”پاکستان نیشنل الائنس“ (پی این اے) کے نام سے اتحاد قائم کر لیا۔ اگرچہ پاکستان پیپلز پارٹی نے انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی اور ۲۰۰ میں سے ۱۵۶ نشستیں حاصل کر لیں جبکہ پی این اے محض ۳۶ نشستیں جیت سکی، تاہم پی این اے نے نتائج تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور انتخابات میں وسیع پیمانے پر دھاندلی کے الزامات عائد کیے۔ اس کے نتیجے میں ملک گیر احتجاجی تحریک کا آغاز ہوا جو پر تشدد صورت اختیار کر گئی۔ صورتحال پر قابو پانے کے لیے لاہور اور ملتان جیسے شہروں میں جزدی مارشل لاء نافذ کیا گیا، مگر امن وامان کی صورتحال سنبھل نہ سکی۔ بالآخر ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو آرمی چیف جنرل ضیاء الحق نے بھٹو حکومت کو برطرف کر کے ملک میں مارشل لاء نافذ کر دیا۔

جنرل ضیاء الحق کا دور حکومت (۱۹۷۷ء-۱۹۸۸ء)



جنرل ضیاء الحق

اقتدار سنبھالنے کے بعد جنرل ضیاء الحق نے بیان دیا کہ فوج نے حالات کی سنگینی اور امن وامان کی بگڑتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر مداخلت کی ہے تاکہ ملک کو ممکنہ تباہی سے بچایا جاسکے۔ انہوں نے عوام کو یقین دلایا کہ ان کے کوئی سیاسی سیاسی عزائم نہیں ہیں اور یہ کہ توے دن کے اندر اندر انتخابات منعقد کروا کر اقتدار عوامی نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ تاہم جنرل ضیاء الحق نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا اور بعد میں انتخابات کے انعقاد سے انکار کر دیا۔ جنرل ضیاء الحق نے موقف اپنایا کہ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا، لیکن یہاں اسلامی نظام نافذ نہیں کیا گیا۔ دوسرا، ملک میں احتساب کا کوئی نظام موجود نہیں۔ جنرل ضیاء الحق نے اعلان کیا کہ پہلے ملک میں اسلامی نظام نافذ کیا جائے گا، اس کے بعد انتخابات منعقد کیے جائیں گے۔ اس دوران ۱۳ اپریل ۱۹۷۹ء کو ذوالفقار علی بھٹو کو ایک مشتبہ اور بظاہر جھوٹے قتل کے مقدمے میں پھانسی دے دی گئی، جسے اکثر مبصرین سیاسی انتقام قرار دیتے ہیں۔

ضیاء الحق کے تحت اسلامائزیشن

جنرل ضیاء الحق نے ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے چند اقدامات کیے۔ جنرل ضیاء الحق ۱۹۷۹ء میں حدود آرڈیننس نافذ کیا جس کے تحت چوری، زنا، شراب نوشی اور دیگر جرائم کی سزائیں اسلامی تعلیمات کے مطابق مقرر کی گئیں۔ ۱۹۸۰ء میں وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی جسے یہ اختیار حاصل تھا کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ موجودہ قوانین اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اسی طرح جنرل ضیاء الحق نے ذرائع ابلاغ میں اصلاحات متعارف کرائیں اور ریڈیو ٹیلی ویژن پر اسلامی پروگرام نشر کیے جانے لگے۔ جنرل ضیاء الحق نے عوام کو صوم و صلوة کی پابندی کی ترغیب دی۔ علماء کو فوج میں جونیئر کمیشنڈ افسران کے طور پر مقرر کیا گیا۔ تاہم، بعض ناقدین جنرل ضیاء الحق کے اسلامائزیشن پروگرام کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور یہ موقف رکھتے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق اسلامی نظام کو سنجیدگی سے نافذ کرنے میں مخلص نہ تھے بلکہ اس کا استعمال محض اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لیے کرتے رہے۔

جنرل ضیاء الحق کی حکومت کو بین الاقوامی سطح پر اس وقت پذیرائی ملی جب دسمبر ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین کی افواج نے افغانستان پر حملہ کیا تاکہ وہاں قائم کمیونسٹ حکومت کا تحفظ کیا جاسکے۔ اس جارحیت کے بعد لاکھوں افغان شہریوں نے پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ جنرل ضیاء الحق کی حکومت نے افغان مہاجرین کو خوش آمدید کہا اور ان کے لیے خوراک و رہائش کا انتظام کیا۔

افغان عوام نے سوویت افواج کے خلاف مزاحمت کی تحریک شروع کی جسے پاکستان نے مکمل حمایت فراہم کی۔ امریکہ جو اس وقت سوویت یونین کا شدید مخالف تھا، اس صورتحال کو بغور دیکھ رہا تھا۔ امریکہ نے اس موقع کو سوویت یونین کو کمزور کرنے کے لیے ایک موزوں موقع سمجھا۔ چنانچہ امریکہ نے جنرل ضیاء الحق کی حکومت سے رابطہ کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اقتصادی اور عسکری امداد فراہم کرے گا۔

پاکستان جو پہلے ہی افغان مزاحمت کاروں کی مدد کر رہا تھا اس تعاون کے لیے آمادہ ہو گیا۔ اس طرح افغان مجاہدین نے پاکستان اور امریکہ کی مدد سے دس سال تک سوویت افواج کے خلاف سخت مزاحمت کی۔ بالآخر ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین نے جینیوا معاہدے کے تحت افغانستان سے اپنی افواج واپس بلا لیں۔ تاہم اس جنگ کی پاکستان کو بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ پاکستان کو اس جنگ کے نتیجے میں جو منفی اثرات سہنے پڑے ان میں غیر قانونی اسلحہ کی بہتات، منشیات کی اسمگلنگ اور معاشرتی بے چینی شامل تھی۔

جمہوریت کی بحالی

جنرل ضیاء الحق سیاسی جماعتوں اور جمہوری نظام کے سخت مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ سیاسی جماعتوں کا قیام اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ جنرل ضیاء الحق نے کئی برسوں تک انتخابات سے گریز کیا۔ تاہم بین الاقوامی اور اندرونی دباؤ کے باعث، جنرل ضیاء الحق نے بالآخر ۱۹۸۵ء میں عام انتخابات کروائے۔ لیکن یہ انتخابات سیاسی جماعتوں کے بغیر کرائے گئے اور امیدواروں نے انفرادی حیثیت میں حصہ لیا۔ کثیرتعداد میں لوگوں کا ماننا تھا کہ جنرل ضیاء الحق کو خدشہ تھا کہ اگر سیاسی جماعتوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دی گئی تو پاکستان پیپلز پارٹی دوبارہ اقتدار میں آجائے گی۔

انتخابات کے بعد قومی اسمبلی نے محمد خان جو نیجو کو، جو جنرل محمد ضیاء الحق کے نامزد کردہ تھے، وزیراعظم منتخب کیا۔ نو منتخب اسمبلی نے مطالبہ کیا کہ مارشل لا ختم کیا جائے کیونکہ جمہوری حکومت اور مارشل لا کا ایک وقت جاری رہنا ناممکن تھا۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے سول حکومت کی بحالی اس شرط پر قبول کی کہ پارلیمان ۱۹۷۳ء کے آئین میں آئینی ترمیم منظور کرے۔ پارلیمان نے یہ ترمیم منظور کر لی اور جنرل محمد ضیاء الحق نے ۳۰ دسمبر ۱۹۸۵ء کو مارشل لا اٹھالیا۔ اس ترمیم کے تحت وزیراعظم کے اختیارات کا بڑا حصہ صدر مملکت کو منتقل کر دیا گیا۔ آئین میں آرٹیکل ۵۸ (۲) (b) کا اضافہ کیا گیا جس کے تحت صدر کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ اپنی صوابدید پر قومی اسمبلی تحلیل اور وزیراعظم کو برطرف کر سکے۔ جنرل محمد ضیاء الحق نے یہی اختیار استعمال کرتے ہوئے ۱۹۸۸ء میں محمد خان جو نیجو کی حکومت کو اس بنا پر برطرف کر دیا کہ جو نیجو نے ضیاء الحق کی اجازت کے بغیر جینیوا معاہدے میں شرکت کی۔ جو نیجو حکومت کی برطرفی کے بعد ضیاء الحق نے نوے دن کے اندر انتخابات کرانے کا اعلان کیا لیکن انتخابات سے قبل ۷ اگست ۱۹۸۸ء کو ایک فضائی حادثے میں ان کا انتقال ہو گیا۔

جنرل محمد ضیاء الحق صدر پاکستان اور آرمی چیف دونوں عہدوں پر فائز تھے۔ ان کے انتقال کے بعد چیئر مین سینیٹ غلام اسحاق خان کو قائم مقام صدر مقرر کیا گیا جبکہ جنرل اسلم بیگ کو نیا آرمی چیف بنایا گیا۔ انتخابات شیڈول کے مطابق نومبر ۱۹۸۸ء میں منعقد ہوئے۔ ان انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی سب سے بڑی جماعت کے طور پر ابھری اور ۹۳ نشستیں حاصل کیں جبکہ اسلامی جمہوری اتحاد (آئی جے آئی) نے ۵۲ نشستیں حاصل کیں۔ بینظیر بھٹو کو محض ۵ سال کی عمر میں وزیر اعظم منتخب کیا گیا۔ بینظیر بھٹو نہ صرف دنیا کی سب سے کم عمر وزیر اعظم تھیں بلکہ انھیں اسلامی دنیا کی پہلی خاتون وزیر اعظم بننے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

اس دور میں پاکستان نے سیاسی عدم استحکام اور معاشی بحران کا سامنا کیا، جس کی بڑی وجہ صدر مملکت کے صوابدیدی اختیارات تھے جن کے تحت وہ قومی اسمبلی تحلیل کر سکتے تھے۔ صدر نے بارہا ان اختیارات کو استعمال کیا اور کسی بھی حکومت کو اپنی آئینی مدت مکمل کرنے نہ دی۔ ان قبل از وقت برطرفیوں کی وجہ سے جمہوری حکومتیں عوامی توقعات پر پورا نہ اتر سکیں۔

بینظیر بھٹو کی حکومت کو کمزور پارلیمانی اکثریت حاصل تھی، جس کے سبب بینظیر بھٹو کو اتحادی جماعتوں اور آزاد امیدواروں کے ساتھ سمجھوتہ کرنا پڑا تاکہ اقتدار میں رہ سکیں۔ اس کے علاوہ اسلامی جمہوری اتحاد نے پنجاب میں حکومت قائم کر لی، جو پاکستان کا سب سے گنجان آباد صوبہ ہے۔ یہ پہلا موقع تھا جب مرکزی حکومت اور پنجاب میں مختلف جماعتیں برسر اقتدار آئیں۔ وفاقی حکومت اور پنجاب حکومت کے مابین مسلسل کشمکش نے بینظیر بھٹو کی حکومت پر گہرے منفی اثرات چھوڑے۔

بینظیر بھٹو نے بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی۔ دونوں ممالک اس بات پر متفق ہوئے کہ تنازعات کو مذاکرات کے ذریعے حل کیا جائے گا، لیکن اسلامی جمہوری اتحاد کی مخالفت کے باعث ان کوششوں میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ ۱۹۸۹ء میں بینظیر بھٹو نے امریکہ کا میاں دورہ کیا، جس کے نتیجے میں امریکہ نے پاکستان کو اقتصادی اور عسکری امداد فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔

بینظیر بھٹو نے خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے متعدد اقدامات کیے۔ خواتین کے لیے علیحدہ پولیس اسٹیشن قائم کیے گئے۔ بڑی تعداد میں لیڈی ہیلتھ ورکرز بھرتی کی گئیں۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ خواتین کی مالی معاونت کے لیے ویمن ڈویلپمنٹ بینک قائم کیا گیا۔ بینظیر بھٹو نے متعدد خواتین کو اپنی کابینہ میں شامل کیا اور کلیدی عہدوں پر تعینات کیا، جن میں ایک یونیورسٹی کی وائس چانسلر، ایک صوبے کی گورنر اور ہائی کورٹ کی جج بھی شامل تھیں۔ خواتین کی فلاح و بہبود کے لیے پہلی مرتبہ علیحدہ وزارت بھی قائم کی گئی۔

تاہم، بینظیر بھٹو اپوزیشن جماعتوں اور ریاستی اداروں کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے میں ناکام رہیں۔ متحدہ قومی موومنٹ اور عوامی نیشنل پارٹی، جو پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت کا حصہ تھیں، ایک سال کے بعد حکومتی اتحاد سے علیحدہ ہو کر اپوزیشن میں شامل ہو گئیں۔ بینظیر بھٹو کا پنجاب حکومت سے مسلسل تصادم ان کی سیاسی ساکھ کو متاثر کرنے کا سبب بنا اور حکومتی کارکردگی بھی اس سے متاثر ہوئی۔ معیشت کے مسائل جوں کے توں رہے اور مہنگائی میں اضافہ ہوا۔ مزید برآں، بینظیر بھٹو اور صدر غلام اسحاق خان کے مابین تعلقات ان کے دور حکومت میں زیادہ تر کشیدہ رہے۔ بالآخر، ۱۶ اگست ۱۹۹۰ء کو صدر غلام اسحاق خان نے بدعنوانی، اقربا پروری اور بدانتظامی کے الزامات عائد کرتے ہوئے قومی اسمبلی تحلیل کر دی اور بینظیر بھٹو کی حکومت برطرف کر دی۔

میاں محمد نواز شریف کی حکومت



میاں محمد نواز شریف

بینظیر بھٹو کی حکومت کے خاتمے کے بعد ۱۹۹۰ء میں عام انتخابات منعقد ہوئے، جن میں اسلامی جمہوری اتحاد سب سے بڑی جماعت کے طور پر ابھری، اور اس اتحاد کے امیدوار میاں محمد نواز شریف وزیراعظم منتخب ہوئے۔ میاں محمد نواز شریف ایک کاروباری خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ذوالفقار علی بھٹو کی قومیاں کی پالیسی کے سخت ناقد تھے۔ وہ نجی کاروبار اور صنعت کے فروغ کے قائل تھے۔ ان کے دور میں ٹیلی کمیونی کیشن، شپنگ اور توانائی کی پیداوار سمیت ۸۹ سرکاری اداروں کو نجی شعبے کو منتقل کر دیا گیا۔ خود روزگاری اسکیم کے تحت ”یوکیب اسکیم“ کا آغاز کیا گیا، جس کے ذریعے ہزاروں افراد کو ٹیکسیاں اور ٹرک خریدنے کے لیے قرضے فراہم کیے گئے۔

تاہم، سندھ میں امن و امان کی صورت حال بدستور خراب رہی۔ علاوہ ازیں، میاں محمد نواز شریف کی حکومت کی خارجہ پالیسی کو بھی عوامی سطح پر تنقید کا سامنا کرنا پڑا، خصوصاً ۱۹۹۱ء میں خلیجی جنگ کے دوران عراق کے خلاف امریکہ کی حمایت کے فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیا۔ میاں محمد نواز شریف صدر غلام اسحاق خان کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم نہ رکھ سکے اور اپریل ۱۹۹۳ء میں صدر نے تقریباً انہی الزامات کے تحت جن کے تحت بینظیر بھٹو کی حکومت برطرف کی گئی تھی، میاں محمد نواز شریف کی حکومت کو بھی برطرف کر دیا۔

میاں محمد نواز شریف نے صدر غلام اسحاق خان کے اس فیصلے کے خلاف عدالت عظمیٰ سے رجوع کیا جس نے ان کی حکومت کو بحال کر دیا تاہم وزیراعظم اور صدر کے درمیان تعلقات بدستور کشیدہ ہی رہے۔ آخر کار ایک معاہدے کے تحت، میاں محمد نواز شریف اور غلام اسحاق خان دونوں نے اپنے عہدوں سے استعفیٰ دے دیا۔

بینظیر بھٹو کا دورِ سر اور حکومت



بینظیر بھٹو

بینظیر بھٹو اکتوبر ۱۹۹۳ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں دوبارہ اقتدار میں آئیں۔ اس بار بینظیر بھٹو نے اپنی ہی جماعت کے رکن فاروق احمد خان لغاری کو صدر پاکستان منتخب کروانے میں کامیابی حاصل کی۔ بینظیر بھٹو کو اطمینان تھا کہ اب کم از کم صدارتی برطرفی کا خطرہ نہیں رہا۔ تاہم اس دورِ حکومت میں بھی بینظیر بھٹو کو سنگین معاشی و سیکوریٹی مسائل کا سامنا رہا۔ معیشت بدترین حالات میں تھی۔ بینظیر بھٹو نے عالمی مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) کے

ساتھ ایک معاہدہ کیا تا کہ معیشت کو بہتر بنایا جاسکے۔ حکومت نے پولیو کے خاتمے کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے۔ مزید برآں سندھ کے شہری علاقوں میں امن و امان کی بحالی کے لیے فوجی آپریشن کا آغاز کیا گیا۔

بینظیر بھٹو نے افغان اور کشمیر پالیسی کو نہایت مہارت کے ساتھ چلایا۔ حکومت نے کشمیری مجاہدین کی حمایت جاری رکھی اور مسئلہ کشمیر کو مؤثر انداز میں بین الاقوامی فورمز پر اجاگر کیا۔ بھارت، پاکستان کے غیر متزلزل موقف پر ناخوش تھا، جس کے باعث دونوں ممالک کے تعلقات میں کشیدہ رہے۔ بینظیر بھٹو امریکہ کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنانے میں کامیاب ہوئیں۔ امریکہ نے وہ اقتصادی اور عسکری پابندیاں ختم کرنے پر آمادگی ظاہر کی جو ۱۹۹۰ء سے پاکستان پر عائد تھیں۔

تاہم بینظیر بھٹو کی حکومت اور عدلیہ کے درمیان تعلقات کشیدہ رہے۔ حکومت نے اعلیٰ عدلیہ میں متعدد جج تعینات کیے، لیکن بعد ازاں سپریم کورٹ نے ان تعیناتیوں کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ علاوہ ازیں بینظیر بھٹو کا صدر مملکت سے اختلاف شدت اختیار کر گیا جس کا نتیجہ نومبر ۱۹۹۶ء میں ان کی حکومت کی برطرفی کی صورت میں نکلا۔

نواز شریف کا دوسرا دور حکومت

فروری ۱۹۹۷ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں میاں محمد نواز شریف دوبارہ وزیراعظم منتخب ہوئے۔ اس بار پاکستان مسلم لیگ (ن) نے قومی اسمبلی میں دو تہائی اکثریت حاصل کی، جس کے باعث نواز شریف کو ایک مضبوط وزیراعظم کی حیثیت حاصل ہو گئی۔ وزارت عظمیٰ سنبھالنے کے فوری بعد، نواز شریف نے آئین میں ترمیم کرتے ہوئے صدر مملکت کا وزیراعظم کو برطرف کرنے کا صوابدیدی اختیار ختم کر دیا۔

نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں عدلیہ کے ساتھ تعلقات خراب رہے، خاص طور پر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کے ساتھ انتہائی خراب رہے۔ سپریم کورٹ پر حکمران جماعت کے حامیوں نے حملہ کیا اور بالآخر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سجاد علی شاہ کو ۱۹۹۷ء میں برطرف کر دیا گیا۔ اس دوران حکومت نے ان بااثر افراد کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جنہوں نے بینکوں سے بھاری قرضے حاصل کیے مگر واپس نہ کیے جس سے ملکی معیشت کو بھاری نقصان پہنچا۔

ایٹمی دھماکے

نواز شریف کی حکومت کو اس وقت ایک بڑا چیلنج درپیش آیا جب بھارت نے مئی ۱۹۹۸ء میں ایٹمی تجربات کیے۔ امریکہ اور یورپی ممالک نے حکومت پاکستان پر شدید دباؤ ڈالا کہ وہ جو ابلی ایٹمی دھماکے نہ کرے۔ تاہم تمام تر دباؤ کے باوجود حکومت نے جرات مندانہ فیصلہ کرتے ہوئے ۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو ایٹمی دھماکے کیے اور پاکستان نے خود کو ایک ایٹمی طاقت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اس دور میں نواز شریف نے مواصلاتی نظام کی بہتری پر بھی توجہ دی اور بین الاقوامی معیار کی کئی اہم شاہرہیں تعمیر کروائیں، جن میں لاہور تا اسلام آباد موٹروے (M-2) نمایاں ہے۔

کارگل جنگ (۱۹۹۹ء)

مئی ۱۹۹۹ء میں پاکستان اور بھارت کے مابین اس وقت شدید کشیدگی پیدا ہوئی جب مجاہدین اور پاکستانی نیم عسکری دستوں نے لائن آف کنٹرول کے قریب واقع کارگل کی چوٹیوں پر قبضہ کر لیا۔ بھارتی افواج نے ان چوٹیوں کو واپس لینے کی متعدد ناکام کوششیں کیں، اور دونوں ممالک میں تقریباً دو ماہ تک لڑائی جاری رہی۔ اس لڑائی میں دونوں جانب بھاری جانی نقصان ہوا۔ جوہری جنگ کے خدشے کے پیش نظر امریکہ نے مداخلت کی اور میاں محمد نواز شریف سے مطالبہ کیا کہ لائن آف کنٹرول کا احترام کیا جائے اور کارگل کی چوٹیوں کو خالی کیا جائے۔ چنانچہ جولائی ۱۹۹۹ء میں مجاہدین اور پاکستانی دستے واپس بلا لیے گئے۔

میاں محمد نواز شریف اور آرمی چیف جنرل پرویز مشرف کے درمیان کارگل کے مسئلے پر شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔ میاں محمد نواز شریف کا موقف تھا کہ جنرل پرویز مشرف نے ان کی منظوری کے بغیر کارگل کی جنگ کا آغاز کیا۔ ۱۲ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو میاں محمد نواز شریف نے جنرل پرویز مشرف کو برطرف کر کے جنرل ضیاء الدین بٹ کو نیا آرمی چیف مقرر کر دیا۔ اس غیر متوقع فیصلے پر عسکری قیادت نے سخت ردِ عمل دیا اور سول حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

جنرل پرویز مشرف کا دورِ حکومت (۱۹۹۹ء-۲۰۰۸ء)



جنرل پرویز مشرف

جنرل پرویز مشرف، جنہیں حکومت نے برطرف کرنے کا حکم دیا تھا، سرکاری دورے پر سری لنکا میں موجود تھے۔ وہ پاکستان واپس آئے اور ملک کا انتظام سنبھال لیا۔ پرویز مشرف نے ۱۹۷۳ء کے آئین کو معطل کر کے ملک میں ایمر جنسی نافذ کر دی۔ تاہم عالمی سطح پر ان کے اس اقدام کو ناپسند کیا گیا اور متعدد ممالک نے ان کی حکومت کو تسلیم نہ کیا۔ مگر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کے نیویارک اور واشنگٹن پر ہونے والے حملوں کے بعد پرویز مشرف کی حکومت کو عالمی سطح پر جو ازل گیا۔ امریکہ نے اس حملے کا ذمہ دار اسامہ بن لادن کو ٹھہرایا اور افغانستان پر حملے کا فیصلہ کیا جہاں اسامہ بن لادن چھپا ہوا تھا۔ امریکہ نے اس کارروائی کو ”دہشت گردی کے خلاف جنگ“ کا نام دیا۔ پرویز مشرف نے امریکہ کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا اور یوں پاکستان امریکہ کا قریبی اتحادی بن گیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں پرویز مشرف کی حکومت کو بین الاقوامی سطح پر تسلیم کر لیا گیا۔

پرویز مشرف نے ۲۰۰۲ء میں عام انتخابات کروائے، لیکن محمد نواز شریف اور بینظیر بھٹو کو ان انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت نہ دی گئی۔ ان انتخابات کے نتیجے میں پاکستان مسلم لیگ (قائد اعظم)، جو پرویز مشرف کی حامی جماعت تھی اقتدار میں آئی۔ اس دوران پرویز مشرف نے مقامی حکومتوں کو مستحکم کرنے کی کوشش کی اور اختیارات کو فحشی سطح تک منتقل کیا۔ پرویز مشرف کے دورِ حکومت میں پاکستان کو دہشت گردی کی شدید لہر کا سامنا کرنا پڑا، جس میں لاکھوں افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ پرویز مشرف نے بلوچستان میں بگٹی اور مری قبائل کے خلاف فوجی آپریشن کا حکم دیا۔ نواب اکبر خان بگٹی جو بگٹی قبیلے کے سربراہ تھے، کو ۲۰۰۶ء میں قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل کے بعد بلوچستان میں امن وامان کی صورت حال مزید خراب ہو گئی۔

پرویز مشرف کا زوال اس وقت شروع ہوا جب انہوں نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری کو ۹ مارچ ۲۰۰۷ء کو معطل کر دیا۔ اس اقدام کے خلاف وکلاء اور سول سوسائٹی نے عدلیہ بحالی کی تحریک شروع کی۔ بالآخر سپریم کورٹ نے افتخار محمد چوہدری کو بحال کر دیا لیکن پرویز مشرف نے ۳ نومبر ۲۰۰۷ء کو دوبارہ ایمر جنسی نافذ کر دی اور اعلیٰ عدالتوں کے متعدد ججوں کو برطرف کر دیا۔ اس اقدام سے پرویز مشرف کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچا۔ ایک اور واقعہ جس سے پرویز مشرف کی ساکھ مزید متاثر ہوئی وہ لال مسجد آپریشن تھا جس میں متعدد افراد ہلاک ہوئے۔ پرویز مشرف کی مقبولیت اس وقت انتہائی حد تک گر گئی جب بینظیر بھٹو کو ۲۷ ستمبر ۲۰۰۷ء کو لیاقت باغ مارشل لائیو میں قتل کر دیا گیا۔

پاکستان پیپلز پارٹی کا دورِ حکومت (۲۰۰۸ء-۲۰۱۳ء)

۲۰۰۸ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں پاکستان پیپلز پارٹی اقتدار میں آئی۔ یوسف رضا گیلانی وزیر اعظم منتخب ہوئے جبکہ آصف علی زرداری پرویز مشرف کے استعفیے کے بعد صدر بنے۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کا پہلا اہم اقدام ان ججز کی بحالی تھا جنہیں پرویز مشرف نے برطرف کر دیا تھا۔



آصف علی زرداری اور یوسف رضا گیلانی

جولائی ۲۰۰۸ء میں حکومت نے ”بینظیر انکم سپورٹ پروگرام“ کا آغاز کیا، جس کے تحت ان خاندانوں کو مالی امداد دی گئی جو خط غربت سے نیچے زندگی گزار رہے تھے۔ پرویز مشرف کے دور حکومت میں چھوٹے صوبوں کی محرومیاں بڑھ گئی تھیں۔ ان شکایات کو دور کرنے کے لیے حکومت نے ۲۰۰۹ء میں ساتواں قومی مالیاتی ایوارڈ (این ایف سی ایوارڈ) متعارف کرایا۔ اس ایوارڈ کے ذریعے صوبوں کا مالیاتی حصہ ۴۵ فیصد سے بڑھا کر ۵۷.۵ فیصد کر دیا گیا۔

اسی طرح پارلیمنٹ نے اپریل ۲۰۱۰ء میں اٹھارہویں ترمیم منظور کی۔ اس ترمیم کا مقصد ۱۹۷۳ء کے آئین کو اس کی اصل حالت میں بحال کرنا اور صوبوں کو زیادہ خود مختاری دینا تھا۔ وہ کئی محکمے جو پہلے وفاقی حکومت کے تحت چل رہے تھے، اٹھارویں ترمیم کے بعد صوبوں کو منتقل کر دیے گئے۔ قدرتی وسائل کی آمدنی میں بھی صوبوں کو ۵۰ فیصد حصہ دیا گیا۔ بد قسمتی سے پاکستان پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں خیبر پختونخوا اور دیگر علاقوں میں دہشت گردی کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ تاہم، انواج پاکستان نے ان دہشت گردوں کے خلاف کامیاب فوجی کارروائیاں کیں اور انہیں پاکستانی حدود سے نکال باہر کر کے امن بحال کیا۔ تمام مثبت اقدامات کے باوجود ملک کی معاشی حالت غیر مستحکم رہی۔ مہنگائی میں نمایاں اضافہ ہوا، جبکہ مجموعی قومی پیداوار (GDP) کی سالانہ شرح نمو محض ۳ فیصد رہی، جو کہ ملکی تاریخ کی سست ترین شرح نمو میں سے ایک تھی۔

پاکستان مسلم لیگ (ن) کا دور حکومت (۲۰۱۳ء-۲۰۱۸ء)

2013ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں پاکستان مسلم لیگ (ن) برسر اقتدار آئی اور محمد نواز شریف تیسری مرتبہ وزیر اعظم منتخب ہوئے۔ نواز شریف نے معیشت کی بہتری کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے۔ چین کے ساتھ ایک تاریخی اقتصادی معاہدہ کیا گیا جس کے تحت ”چین-پاکستان اقتصادی



میاں محمد نواز شریف اور شاہد خاقان عباسی

راہداری (CPEC) کا آغاز ہوا۔ یہ منصوبہ کئی ترقیاتی منصوبوں پر مشتمل ہے۔ 2015ء میں نواز شریف نے چین کے ساتھ ۵۶ ارب ڈالر مالیت کے ۵۱ معاہدے اور مفابہتی یادداشتوں پر دستخط کیے۔ اقتصادی راہداری کا مقصد پاکستان کی معیشت کو جدید خطوط پر استوار کرنا تھا، خصوصاً سڑکوں، ریل، توانائی اور بندرگاہوں کے شعبوں کو ترقی دینا۔ ابتداء ہی سے نواز شریف کو اپوزیشن کی شدید تنقید اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان تحریک انصاف (عمران خان کی قیادت میں) اور پاکستان عوامی تحریک (ڈاکٹر طاہر القادری کی قیادت میں) نے

اگست ۲۰۱۴ء میں اسلام آباد میں دھرنا دیا جو ۱۲۶ دن تک جاری رہا۔ اس سیاسی احتجاج نے حکومت کی کارکردگی اور ساکھ پر منفی اثر ڈالا۔ اچھی حکمرانی کی راہ میں ایک اور رکاوٹ دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے واقعات تھے۔ دسمبر ۲۰۱۴ء میں دہشت گردوں نے پشاور میں آر می پبلک اسکول پر حملہ کیا جس میں ۱۵۰ طلباء و اساتذہ شہید ہوئے۔ قانون نافذ کرنے والے اداروں نے اس حملے میں ملوث ملعون دہشت گردوں کو یا تو مار دیا یا عدالت کے حکم پر پھانسی دی۔

نواز شریف کو ۲۰۱۷ء میں سپریم کورٹ نے وزارت عظمیٰ کے لیے نااہل قرار دے دیا، جس کے بعد وہ اس عہدے کے اہل نہ رہے۔ (اگرچہ سپریم کورٹ نے کچھ سالوں بعد اپنے ہی فیصلے پر نظر ثانی کرتے ہوئے اس سزا کو ناجائز اور غیر قانونی قرار دے کر کالعدم کر دیا)۔ نواز شریف کی نااہلی کے بعد شاہد خاقان عباسی کو وزیراعظم منتخب کیا گیا۔ مگر حکومتی مسائل یہیں ختم نہ ہوئے۔ خادم حسین رضوی کی قیادت میں ایک مذہبی جماعت نے اسلام آباد میں دھرنے لگا دیے، کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ ان تمام رکاوٹوں کے باوجود ملک کی معیشت نسبتاً بہتر تھی اور مہنگائی پر قابو پایا جا چکا تھا۔ حکومت نے متعدد ترقیاتی منصوبے بھی کامیابی سے مکمل کیے۔

پاکستان تحریک انصاف کا دور حکومت (۲۰۱۸ء-۲۰۲۲ء)



ڈاکٹر عارف علوی

پاکستان مسلم لیگ (ن) کا دور حکومت مکمل ہونے کے بعد جولائی ۲۰۱۸ء میں عام انتخابات منعقد ہوئے۔ پاکستان تحریک انصاف جولائی ۲۰۱۸ء کے عام انتخابات کے نتیجے میں ملک کی سب سے بڑی جماعت کے طور پر ابھری، اور کرکٹ سے سیاست میں قدم رکھنے والے عمران خان وزیراعظم منتخب ہوئے۔ عمران خان نے کرپشن کے خاتمے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا وعدہ کیا۔ تاہم حکومت کو ابتداء ہی سے ادائیگیوں کے توازن اور بڑھتی ہوئی مہنگائی جیسے سنگین معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ حکومت نے معیشت کی بہتری کے لیے کوششیں کیں اور اس سلسلہ میں بین الاقوامی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) اور دوست ممالک سے قرض لیا۔

سال ۲۰۲۰ء میں کووڈ-۱۹ کی عالمی وبا نے پاکستان کو بری طرح متاثر کیا مگر حکومت، افواج پاکستان کی بھرپور مدد سے مؤثر انداز میں اس بحران سے نمٹنے میں کامیاب ہوئی۔ پاکستان تحریک انصاف اپوزیشن جماعتوں کے ساتھ خوشگوار تعلقات قائم کرنے میں ناکام رہی۔ اپوزیشن جماعتوں نے حکومت کے خلاف ”پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ (PDM)“ کے نام سے اتحاد قائم کیا۔ اس اتحاد نے حکومت پر بدانتظامی، سیاسی مخالفین کے خلاف انتقامی کارروائیوں، معیشت کی ناقص حالت اور کمزور خارجہ پالیسی کے الزامات عائد کیے۔ حتیٰ کہ تحریک انصاف کے اتحادی بھی حکومتی صفوں سے علیحدہ ہو کر اپوزیشن میں شامل ہو گئے۔ اپریل ۲۰۲۲ء میں قومی اسمبلی میں عمران خان کے خلاف تحریک عدم اعتماد کامیاب ہوئی اور یوں وزارت عظمیٰ سے ہٹا دیے گئے۔ بعد ازاں میاں محمد شہباز شریف کو وزیراعظم منتخب کیا گیا۔ پی ڈی ایم کے دور حکومت میں ملکی معیشت مزید بگاڑ کا شکار رہی اور مہنگائی کی شرح بلند ترین سطح پر پہنچ گئی۔

نگران حکومت اور سیاسی صورتحال (۲۰۲۳ء-۲۰۲۴ء)

پاکستان ڈیموکریٹک موومنٹ کے دور کے اختتام پر نگران حکومت قائم کی گئی اور انوار الحق کاکڑ کو نگران وزیراعظم مقرر کیا گیا۔ نگران حکومت نے معاشی مسائل کے حل اور امن و امان کی بہتری میں کچھ کامیابیاں حاصل کیں۔ بالآخر ۸ فروری ۲۰۲۳ء کو عام انتخابات منعقد ہوئے، جن کے نتیجے میں سلاخ ۲۰۲۳ کو شہباز شریف ایک بار پھر وزیراعظم منتخب ہوئے۔ شہباز شریف نے ۲۰۱۷ء وٹ حاصل کیے، جبکہ ان کے حریف عمر ایوب خان کو صرف ۹۲ وٹ ملے۔ شہباز شریف نے مختلف سیاسی جماعتوں پر مشتمل اتحادی حکومت تشکیل دی۔

اسی دوران آصف علی زرداری ملک کے نئے صدر منتخب ہوئے۔ موجودہ حکومت معاشی بحران سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے اور مہنگائی پر قابو پانے میں کسی حد



انوار الحق کا کز

تک کامیابی حاصل کر چکی ہے۔ حکومت نے کرنسی کے استحکام کے لیے مؤثر اقدامات کیے جن کے باعث روپے کی قدر میں مزید کمی رکھی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکومت بین الاقوامی سطح پر پاکستان کا مثبت تاثر اجاگر کرنے کی بھی کوشش کر رہی ہے۔ اس نے کشمیر اور فلسطین کے عوام پر ہونے والے مظالم اور جارحیت کے خلاف ہر بین الاقوامی فورم پر بھرپور آواز اٹھائی ہے۔

پاکستان - بھارت جنگ ۲۰۲۵ء

مئی ۲۰۲۵ء کو بھارتی افواج نے پاکستان پر جارحانہ حملے کا آغاز کیا۔ بھارت نے

اس حملے کے جواز کے طور پر یہ بے بنیاد الزام عائد کیا کہ پاکستان بھارتی مقبوضہ کشمیر کے قصبہ پہلگام میں اپریل ۲۰۲۵ء ہونے والے ایک حملے میں ملوث ہے، جس میں متعدد افراد ہلاک ہوئے۔ پاکستان نے ان تمام الزامات کو سختی سے مسترد کرتے ہوئے انہیں من گھڑت اور بے بنیاد قرار دیا۔ تاہم اس کے باوجود بھارت نے ۷ مئی ۲۰۲۵ء کو پاکستان کے خلاف کھلی عسکری جارحیت کا ارتکاب کیا۔ پاکستان کی مسلح افواج نے نہایت جرأت، پیشہ ورانہ مہارت اور حکمت عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھارتی افواج کو منہ توڑ جواب دیا۔ پاکستانی افواج نے بھارتی مقبوضہ کشمیر میں متعدد بھارتی فوجی چوکیاں تباہ کر دیں۔ دونوں ممالک کی فضائی افواج کے مابین شدید فضائی جھڑپیں ہوئیں جن میں پاکستان ایئر فورس کو نمایاں برتری حاصل رہی۔ ان جھڑپوں میں پاکستان ایئر فورس نے بھارت کے کئی جنگی طیارے مار گرائے، جن میں بھارت کے فرانس سے حاصل کردہ چارہ فیل طیارے بھی شامل تھے۔ بھارت کا یہ گمان تھا کہ رافیل طیارے اسے فضائی برتری دلائیں گے، تاہم اس کی یہ توقعات عملی میدان میں سراسر غلط ثابت ہوئیں۔

بھارت کی جانب سے ڈرون حملوں کے جواب میں ۱۰ مئی ۲۰۲۵ء کو پاکستان نے ایک منظم فوجی آپریشن بعنوان ”بنیان المرصوص“ کا آغاز کیا۔ اس آپریشن کے دوران پاکستان ایئر فورس نے بھارتی فضائی اڈوں سمیت ۲۶ کلیدی ورتویراتی اہداف کو کامیابی سے نشانہ بنایا، جن میں بھارتی دفاعی تنصیبات کو بھاری نقصان پہنچایا گیا۔ اس جنگ میں شدید جانی و مالی نقصان اٹھانے کے بعد بھارت کو بالآخر صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے متعدد بار ثالثی کی درخواستوں کے بعد پاکستان نے جنگ بندی پر آمادگی ظاہر کی۔ اس عسکری معرکہ میں پاکستان آرمی کی شاندار کارکردگی کے اعتراف میں جنرل عاصم منیر کو ترقی دے کر فیلڈ مارشل کے عہدے پر فائز کیا گیا جو پوری قوم کے لیے باعث افتخار و مسرت ثابت ہوا۔

مشقی سوالات

درج ذیل کثیر الانتخابی سوالات میں سے درست جواب کی نشان دہی کریں۔

۱۔ پاکستان کے اسٹیٹ بینک کے پہلے گورنر کون تھے؟

الف) نازہ حسین ب) محمد علی ج) غلام محمد د) لیاقت علی خان

۲۔ لیاقت علی خان کو کس شہر میں شہید کیا گیا؟

الف) لاہور ب) کراچی ج) ماہولپنڈی د) کوہلی

۳۔ پاکستان کے پہلے صدر تھے:

الف) قائد اعظم ب) اسکندر مرزا ج) لیاقت علی خان د) ایوب خان

۴۔ ذوالفقار علی بھٹو کے پاس ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۶ء تک کے عرصہ کے دوران وزارت تھی:

الف) خارجہ ب) قانون ج) کوآئلہ د) ذرائع

۵۔ عوامی لیگ کا ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں منشور کیا تھا:

الف) چھ نکات ب) سات نکات ج) آٹھ نکات د) پانچ نکات

۶۔ حدود آرڈیننس کس نے نافذ کیا:

الف) ایوب خان ب) بینظیر بھٹو ج) یحییٰ خان د) ضیاء الحق

۷۔ بینظیر بھٹو اور نواز شریف کی پہلی حکومت کو کس نے برطرف کیا:

الف) ایوب خان ب) غلام اسحاق خان ج) پرویز مشرف د) ضیاء الحق

۸۔ بینظیر بھٹو کو ۲۰۰۷ء ستمبر کو لیاقت باغ میں شہید کیا گیا:

الف) ۲۰۰۵ء ب) ۲۰۰۶ء ج) ۲۰۰۷ء د) ۲۰۰۸ء

۹۔ عمران خان کے خلاف قومی اسمبلی میں عدم اعتماد کی قرارداد منظور ہوئی:

الف) ۲۰۲۰ء ب) ۲۰۲۱ء ج) ۲۰۲۲ء د) ۲۰۲۳ء

۱۰۔ اٹھارویں ترمیم نے صوبائی خود مختاری اس طرح بڑھائی:

الف) صوبوں کو با اختیار بنا کر ب) وفاقی پالیسیوں کو چیلنج کر کے
ج) جمہوریت کو مضبوط کر کے د) مرکزی حکومت کو مستحکم کر کے

سوال نمبر ۲: مندرجہ ذیل سوالات کے مختصر جوابات دیں۔

1. جنرل ضیاء الحق نے پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کے لیے کیا اقدامات کیے؟
2. قائد اعظم محمد علی جناح نے طلبہ کو کیا نصیحت کی تھی؟
3. ایوب خان کی سیاسی جماعتوں کے بارے میں کیا رائے تھی؟
4. جنرل یحییٰ خان کی جانب سے قومی اسمبلی کا اجلاس مؤخر کرنے کے کیا نتائج نکلے؟
5. ذوالفقار علی بھٹو کی قومیا نے کی پالیسی کے معیشت پر کیا اثرات مرتب ہوئے؟
6. کن واقعات نے پرویز مشرف کے زوال میں کردار ادا کیا؟
7. آئین کے آرٹیکل ۸۸(۲)(b) نے پاکستان میں سیاسی استحکام پر کس طرح اثر ڈالا؟

سوال نمبر سو نمبر ۲۰: سوالات کے جوابات تفصیل سے دیں۔

1. پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے قائد اعظم محمد علی جناح کی خدمات کا جائزہ لیں۔
2. لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد پاکستان میں پیدا ہونے والی سیاسی عدم استحکام کی صورت حال کی مثالوں سے وضاحت کریں۔
3. ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت کے مثبت اور منفی پہلوؤں کو اہم واقعات اور پالیسیوں کے تناظر میں اجاگر کریں۔
4. سویت-افغان جنگ میں پاکستان کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔
5. مشرقی پاکستان کی علیحدگی میں بھارت کے منفی کردار پر بحث کریں۔

تعلیمی سرگرمیاں

سیاسی ادوار کا جائزہ

طلباء کو پاکستان کے مختلف سیاسی ادوار تفویض کیے جاسکتے ہیں۔ وہ ان ادوار میں کی جانے والی اصلاحات کا جائزہ لیں، عام عوام اور معیشت پر ان کے اثرات پر دلائل دیں، اصلاحات کی کامیابیوں اور ناکامیوں پر بحث کریں، دیگر سیاسی جماعتوں پر اپنی آراء کا اظہار کریں۔ طلباء اپنے قائدین کی طرح لباس بھی پہن سکتے ہیں۔ یہ سرگرمیاں طلباء کو سیاسی جماعتوں کا تقابلی جائزہ لینے میں مدد فراہم کریں گی۔

کلاس میں ڈپلے / گریفیٹی بورڈ

کلاس روم ڈپلے بورڈز مختلف گروپوں کو تفویض کیے جاسکتے ہیں جن پر وہ مختلف سیاسی ادوار، ان میں ہونے والی اصلاحات، کامیابیوں اور ناکامیوں کی وجوہات کی نمائش کریں۔ تصویری مواد اور تحریری مواد دونوں کو پیش کرنے اور معمول کی بنیاد پر اسباق کے اعادہ کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ بورڈ ایک متحرک ذریعہ ہو گا جس پر طلباء نئے اسباق سیکھنے کے ساتھ ساتھ مسلسل مواد شامل کرتے رہیں گے۔

اصطلاحات

اسٹیٹ بینک: پاکستان کا مرکزی بینک جو مالیاتی پالیسی اور مالیاتی ضوابط کا نگران ہے۔

صوبائیت پرستی: کسی خاص صوبے کے مفادات کو قومی اتحاد پر ترجیح دینا۔

سیکرٹری جنرل: کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا اعلیٰ انتظامی افسر۔

سوشلسٹ: وہ شخص جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ پیداواری ذرائع ریاست کے کنٹرول میں ہونے چاہئیں۔

آئی جے آئی (IJI): ایک انتخابی اتحاد جو ۱۹۸۰ کی دہائی کے آخر میں پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف قائم ہوا۔

مغربی پاکستان: پاکستان کا ایک صوبہ جو بعد ازاں ایک علیحدہ ملک کی صورت میں ابھر ا اور بنگلہ دیش کہلایا۔

قائد اعظم ﷺ: عظیم رہنما

استاد کی مدد سے، اس باب میں شامل وہ الفاظ جو آپ کو مشکل لگتے ہیں ان کی فہرست بنائیں اور معنی لکھیں۔